تلفیق اور جمع بین المذاہب کا معاصر فتوے میں کردار
هيئة المحاسبة والمراقبة کے اسلامی مالیات پر فتاوی کا تحقیقی مطالعہ

محمد طاہر منصوری ۞

جدید اسلامی مالیات پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں، ان میں ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اسلامی بینک کاری کے معاملات تلفیق پر مبنی ہیں جو فقہا کے نزدیک ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ تلفیق سے عام طور پر یہ مراد لی جاتی ہے کہ ایک جزوی مسئلے میں دو، تین مختلف فقہی آرا کو جمع کر کے ایک ایسی نئی صورت پیدا کی جائے، جو کسی بھی ایک متعین فقہی مسلک کے مطابق نہ ہو۔ ایک جزوی مسئلے کے علاوہ فقہ کے کسی باب میں مختلف آرا کو جمع کرنا بھی تلفیق ہے، جیسے مرابحہ یا سلم کے باب میں مختلف فقہا کی آرا کو اس طرح جمع کرنا کہ اس باب کے احکام کسی ایک متعین فقہ کے مطابق نہ ہوں۔

اسلامی مالیات اور بینک کاری کے معترضین کا کہنا ہے کہ اسلامی بینکوں کے شرعی ماہرین بینک کی سہولت اور اس کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر تلفیق پر مبنی فتوے دیتے ہیں، یہ اسلوب نفس پرستی کی ایک شکل ہے جسے شریعت ناپسند کرتی ہے۔[۱] یہ امر واقع ہے کہ تلفیق اور جمع بین المذاہب، معاصر اسلامی مالیات کا ایک نمایاں اور مقبول منہج استدلال (Methodology of legal reasoning) بن چکا ہے۔ اسلامی مالیات کے شعبے کے بیشتر فتاوی تلفیق اور جمع بین المذاہب پر مبنی ہوتے ہیں۔

هيئة المحاسبة والمراقبة للمؤسّسات المالية الإسلامية[۲] (اسلامی مالیاتی اداروں کی اکاؤنٹنگ اور آڈٹ کا ادارہ) کے شریعہ بورڈ نے ۱۹۹۱ء سے اب تک اسلامی بینک کاری اور مالیات پر جو فتوے دیے

۞ نائب صدر (ایچ ایس آر)، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔ (drmansoory55@gmail.com)

۱- رفقاء دار الافتاء بنوری ٹاؤن، **مروجہ اسلامی بینکاری** (کراچی: مکتبہ بینات، ۲۰۰۸ء)، ۸۰، ۳۰۶، ۳۰۷؛ مفتی عبد الواحد، **جدید معاشی مسائل** (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۸ء) ۱۳۳، ۱۳۴۔

۲- هيئة المحاسبة و المراقبة للمؤسسات المالية الإسلامية (AAOIFI) اسلامی تمویلی اداروں کے لیے اکاؤنٹنگ، آڈیٹنگ، شرعی معاییر وغیرہ کی تیاری کا ایک بین الاقوامی ادارہ ہے۔ اسی ادارے کے تیار کردہ المعايير الشرعية (Shariah Standards) سے دنیا کے متعدد ممالک کے اسلامی بینک استفادہ کر رہے ہیں۔ اس کا ہیڈ کوارٹر بحرین میں ہے۔

ہیں، وہ سب جمع بین المذاہب اور تلفیق کے عملی مظاہر ہیں۔ هيئة المحاسبة والمراقبة کی آرا "معايير شرعيه" یا شرعی معیارات کے عنوان سے منظر عام پر آئی ہیں۔ یہ چالیس کے قریب "معاییر" ہیں جو اسلامی بینکاری اور مالیات کے مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان شرعی معیارات کے چند موضوعات یہ ہیں:

- ☆ کرنسی کی تجارت ☆ کریڈٹ کارڈ
- ☆ بینک گارنٹی ☆ حوالہ
- ☆ مرابحہ للآمر بالشراء ☆ ملکیت پر منتج ہونے والا اجارہ
- ☆ سلم اور متوازی سلم ☆ استصناع
- ☆ صکوک

هيئة المحاسبة کے شریعہ بورڈ نے ان موضوعات پر مختلف مذاہب کی فقہی آرا سے استفادہ کیا ہے۔ شریعہ بورڈ اپنے فتوے میں کسی ایک فقہی مسلک کی پابندی نہیں کرتا، بلکہ فقہی ورثے سے ضرورت اور مصلحت راجحہ کی بنیاد پر انتخاب کرتا ہے۔ مثال کے طور پر "مرابحة للأمر بالشراء" کے باب میں جو احکام آئے ہیں، وہ ایک فقہ کے بجائے تمام فقہا کی آرا سے ماخوذ ہیں۔ مرابحة للأمر بالشراء فقہی مرابحہ کی نئی شکل ہے۔ اس میں بینک، گاہک کی درخواست پر سامان خریدتا ہے اور اسے ایک متعین شرح منافع پر فروخت کرتا ہے۔ اس صورت کا جواز فقہ شافعی میں ملتا ہے۔[۳] یہاں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ گاہک فراہم کردہ سامان کو خریدنے سے انکار کردے اور بینک کو نقصان ہو جائے، اس خطرے کے پیش نظر اس کے ساتھ لازمی وعدہ یا إلزامية الوعد کا تصور منسلک کر دیا گیا ہے۔ وعدے کے (قضاءً) لازم ہونے کا تصور فقہِ مالکی سے لیا گیا ہے۔ اسلامی بینک کاری کے

۳- محمد بن ادریس شافعی، کتاب الأم (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۹ء)، ۳: ۹۳، یقول: إذا أرى الرجل الرجل السلعة فقال: اشتر هذه و أربحک فیها کذا، فاشتراها الرجل فالشراء جائز، وهکذا إن قال اشتر لي متاعا ووصفه له أو متاعا أي متاع شئت وأنا أربحک فيه، فكل هذا سواء. (ایک آدمی نے دوسرے کو سامان دکھایا اور کہا کہ یہ خرید لو، میں تجھے اتنا نفع دوں گا، اس آدمی نے وہ خرید لیا تو یہ سودا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ میرے لیے سامان خرید لو اور اس سامان کے خصائص بتا دیے یا کہا کہ کوئی سا سامان بھی لے آؤ اور میں تجھے اتنا نفع دوں گا، تو یہ سب صورتیں یکساں ہیں۔)

ناقدین کا یہ خیال ہے کہ مرابحة للآمر بالشراء تلفیق کی ایک صورت ہے۔[۴] اس معاہدے کی بنیاد مختلف مذاہب ائمہ کی آرا پر ہے، جو کہ تلفیق مذموم کے دائرے میں آتی ہے۔ ان معترضین کے نزدیک ایک معاملے یا معاہدے میں مختلف آرا کے مجموعے کو لے کر عمل کرنا، اتباعِ ہویٰ یا لذت پرستی کے زمرے میں آتا ہے۔[۵] دوسری طرف ان معاملات کے مؤیدین کے مطابق یہ عمل تلفیقِ مذموم کے دائرے میں نہیں آتا، کیوں کہ کسی ایک فرع میں دو یا زیادہ مختلف ائمہ کی آرا کو جمع کرنا صرف اسی صورت میں ناجائز ہے جب اس سے معاملے کے شرعی مقاصد و مصالح پر زد پڑتی ہو، تاہم معاملات کے باب میں مصلحتِ عامہ کے تحت اور لوگوں کی آسانی اور سہولت کی خاطر اگر ایک معاملے میں مختلف آرا کو جمع کر لیا جائے تو وہ تلفیق مذموم نہیں ہے۔[۶]

کیا معاصر اسلامی مالیات میں اس طرح کی تلفیق بین المذاہب جائز ہے؟ تلفیق کے مسئلے پر قدیم اور معاصر فقہا کا کیا موقف ہے؟ کیا معاییر شرعیہ میں اختیار کردہ صورتیں تلفیق مذموم کے تحت آتی ہیں یا وہ جمع بین المذاہب کی شکل ہے؟ ان سوالات کا جواب اسی مقالے میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

تلفیق کا مفہوم

قدیم و جدید فقہانے تلفیق کے تصور کو مختلف پہلوؤں سے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم اس کی کوئی جامع و مانع تعریف فقہی ادب میں نہیں ملتی۔ فقہا کی وضع کردہ تعریفات میں نمایاں بات یہ ہے کہ تلفیق ایک

۴- محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ، **إعلام الموقعين** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۱ء) امام ابنِ قیم وعدے کے عدمِ وفا کی صورت سے بچنے کی یہ تجویز بتلاتے ہیں کہ بائع مطلوبہ سامان کو تین دن یا زیادہ کے خیار شرط پر خریدے، جب کہ بعض مالکی فقہا کے نزدیک وعدے کے عدمِ وفا کو عدالت میں اٹھایا جا سکتا ہے۔ خصوصا اس صورت میں، جب اس وعدے کی بنیاد پر بائع یا موعود لہ کوئی مالی ذمے داری اٹھالے۔

۵- رائج الوقت مرابحہ مؤجلہ کی صورتوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مفتی رشید احمد، **أحسن الفتاوى** (کراچی: ایچ۔ایم سعید پبلشرز)، ۷:۱۹۹؛ رفقاء دار الافتاء بنوری ٹاؤن، مرجعِ سابق، ۱۵۴؛ اعتراضات کے جائزے کے لیے دیکھیے: محمد مفتی عثمانی، **غیر سودی بینکاری** (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۰۹ء)، ۲۰۹۔

Mufti Taqi Usmani, *An Introduction to Islamic Finance* (Karachi: Maktaba Muaariful Quran, 2007), 242.

۶- وهبة الزحيلي، **أصول الفقه الإسلامي** (بیروت: دار الفكر، ۱۹۸۶ء)، ۲: ۱۱۴۔

تقلید مرکب کا نام ہے، یہ ایک جزوی مسئلے میں بھی ہو سکتی ہے اور ایک ہی باب کے تحت آنے والی مختلف جزئیات میں بھی ہو سکتی ہے۔ تلفیق کی چند معروف و مشہور تعریفات یہ ہیں:

۱- المراد بالتلفيق بين المذاهب أخذ صحية الفعل من مذهبين معا بعد الحكم ببطلانه على كل واحد منهما بمفرده. (فقہی مذاہب میں تلفیق سے مراد ایک فعل کو دو مختلف فقہی مسالک میں بہ یک وقت درست تصور کرنا، جب کہ انفرادی طور پر وہ کسی کے نزدیک بھی درست قرار نہ پاتا ہو۔)[۷]

۲- هو الإتيان بكيفية لا يقول بها المجتهد و معناه أن يترتب على العمل بتقليد المذاهب والأخذ في قضية واحدة ذات أركان أو جزئيات بقولين أو أكثر، الوصول إلى حقيقة مركبة لا يقرها أحد. [۸] (تلفیق سے مراد کسی ایسی رائے کا اختیار کرنا ہے جس کا قائل کوئی بھی مجتہد نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مذاہب کی تقلید اور ایک ہی مسئلے میں دو یا زیادہ اقوال کا اخذ کرنا ایک ایسے مرکب قول پر منتج ہو جس کا قائل کوئی بھی نہ ہو۔)

تلفیق کی مشہور مثال یہ ہے کہ ایک شخص وضو کرنے کے بعد عورت کو چھو لے اور پھر کچھ دیر بعد اس کا بہنے والا خون نکلے اور وہ اس وضو کے ساتھ نماز پڑھ لے، تو ایسے شخص کا وضو شوافع کے نزدیک عورت کو چھونے کی وجہ سے اور احناف کے نزدیک بہنے والے خون کی وجہ سے باطل ہے۔ اگر وہ یہ دعوی کرے کہ عورت کو چھونے کے مسئلے میں وہ حنفی مسلک پر عمل پیرا ہے (جس کی رو سے عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا) اور بہنے والے خون کے مسئلے میں شافعی مسلک کا متبع ہے (کیوں کہ اس میں خون بہنا، ناقضِ وضو نہیں۔)، لہٰذا اس کا وضو درست ہے، تو اس کا یہ طرزِ عمل درست نہ ہو گا کیوں کہ انفرادی طور پر دونوں فقہی مذاہب میں اس کا وضو درست نہیں۔ فقہا کی رائے میں اگر ایک ہی مسئلے میں مختلف مسالک کی آرا پر عمل نفس پرستی کی نیت سے ہو اور اس سے عمل میں تناقض لازم آئے تو ایسی تلفیق ناجائز ہے۔ تلفیق مذموم میں انسان نفسانی خواہش کی اتباع میں ایک ہی مسئلے پر متضاد

۷- وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، **الموسوعة الفقهية الكويتية** (مصر، مطابع دار الهجرة، ۱۴۲۷ھ)، ۱۳: ۲۹۳۔

۸- وھبۃ الزحیلی، **الفقة الاسلامی و ادلته** (دمشق: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء)، ۱: ۸۵۔

موقف اختیار کرتا ہے، مثلاً کوئی شخص ایک گھر بیچے اور پڑوسی کا حق شفعہ اس بنا پر تسلیم نہ کرے کہ شافعی فقہ میں پڑوسی کے لیے حق شفعہ نہیں، لیکن اگر کوئی اس کے پڑوس میں گھر بیچے تو حنفی مسلک کا سہارا لیتے ہوئے حق شفعہ کا دعوے دار ہو۔ ناپسندیدہ تلفیق کی ایک اور مثال شادی کا ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں سرپرست (ولی) اور گواہ موجود نہ ہوں۔ شادی کا معاہدہ کرتے وقت اگر سرپرست کی رضامندی شامل نہ ہو یا گواہ غیر موجود ہوں تو یہ کہا جاسکتا ہے یہ معاہدہ دو مختلف مذاہب کی آرا کو اکٹھا کرکے کیا گیا ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق ایک عاقل و بالغ لڑکی کی شادی بغیر اس کے سرپرست کی رضامندی سے کی جاسکتی ہے اور ایسی شادی جائز ہوگی، لیکن مالکی اور شافعی ایسی شادی کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔[9] مالکی فقہ کے مطابق گواہوں کی موجودگی شادی کے معاہدے کے لوازمات میں شامل نہیں، جب کہ حنفی گواہوں کی موجودگی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔[10] پس اوپر بیان کردہ مثال میں اگر کوئی شخص دو مختلف آرا پر عمل کرتا ہے تو وہ گویا تلفیق مذموم کا مرتکب ہو رہا ہے، کیوں کہ انفرادی طور پر یہ معاہدہ کسی فقیہ کے نزدیک درست نہیں۔ مذکورہ مثالوں میں جس تلفیق کا ذکر کیا گیا ہے وہ تلفیق مذموم ہے، کیوں کہ اس کا ارتکاب دلیل کی بنیاد پر نہیں، بلکہ نفسانی خواہش کی اتباع میں کیا گیا ہے۔

تلفیق کی کچھ ایسی صورتیں بھی ہیں جو درحقیقت جمع بین المذاہب اور مراعاۃ الخلاف کی شکلیں ہیں۔ بعض فقہا اسے تلفیق سے تعبیر کرتے ہیں گو کہ ان کے نزدیک یہ جائز تلفیق ہے۔ اس طرح کی چند تعریفات ذیل میں دی جاتی ہیں۔

تلفیق کی بعض دیگر صورتوں کی تعریفات

۱- أخذ المقلد في مسألة بمذهب معين و في مسألة أخرى بمذهب إمام آخر حتى ولو لم يكن بين المسألتين تلازم. (تلفیق کی ایک اور تعریف یہ ہے کہ مقلد

۹- علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی، **بدائع الصنائع** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۰۶ھ)، ۳: ۳۶۴-۳۶۵؛ ابن رشد، **بداية المجتهد**، تحقیق: علی محمد معوض (بیروت، دار الكتب العلمية، ۱۴۱۶ھ)، ۴: ۱۴؛ ۱۷؛ ابواسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی، **المهذب مع المجموع**، تحقیق: د۔ محمود مطرجی (بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۷ھ)، ۷: ۳۵۔

۱۰- امام مالک، **المدونة الكبرى** (مصر: مطبع السعادة)، ۷: ۱۷۷؛ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، **الهداية مع فتح القدير لابن الهمام**، تحقیق: نعیم اشرف نور محمد (کراچی: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، ۱۴۱۸ھ) ۳: ۱۹۰-۱۹۱۔

ایک مسئلے میں ایک امام کی پیروی کرے اور دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کی اتباع کرے جب کہ ان دونوں جزئیات میں کوئی تعلق نہ ہو۔)[۱۱] جمہور محققین علما اس کے جواز کے قائل ہیں، کیوں کہ شریعت نے بہر صورت کسی مذہب معین کی اتباع کی کوئی قید نہیں لگائی۔ یہ صورت صرف ان فقہا کے نزدیک ناجائز ہے، جن کے نزدیک مذہب معین کا التزام ضروری ہے۔

۲- یطلق التلفیق علی فتوی المجتهد بقول مرکب من قولین مع عدم اعتقاد رجحانه، وإنما یفتی به تخلیصًا للمستفتي من ورطة وقع فیها وهذا یدخل فیها یسمی "مراعاة الخلاف." (بعض اوقات تلفیق کا اطلاق مجتہد یا مفتی کے اس فتوے پر بھی ہوتا ہے جس میں دو الگ الگ اقوال کو اکٹھا کر دیا جاتا ہے، جب کہ مجتہد نے یہ فتوی دلیل راجح کی وجہ سے نہیں دیا ہوتا، بلکہ فتوی طلب کرنے والے کو کسی الجھن سے نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ اسے "مراعاۃ الخلاف" کے عنوان کے تحت بھی لایا جا سکتا ہے۔) اس کی دلیل یہ ہے کہ "رفع حرج" اور "یسر" کے شرعی اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فتویٰ درست ہے۔(مراعاة یسر الشریعة ورفعًا للحرج)[۱۲]

تلفیق کا حکم

تلفیق کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو متقدمین کے ہاں معروف نہیں تھا، اس لیے اس بابت متقدمین فقہا کی تصریحات نہیں ملتیں، چنانچہ یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے کہ تلفیق کے بارے میں کس کی کیا رائے تھی۔ تلفیق کا ذکر علامہ ابن حجر اس طرح کرتے ہیں:"ثانیها: تحریر حکم ما إذا اجتمع في قضیة، أحکام متناقضة کما في صورة السؤال، فإنها من العویصات التي تحتاج إلی مزید تتبع لکلام الأئمة، للاطلاع علی فتاویهم و مؤلفاتهم في الأقضیة وأحکام القضاة المتعارضة بالحکم بالموجب

۱۱- عیاض بن محمد عوض السلمی، **أصول الفقه الذي لا یسع الفقهیه جهله** (ریاض: دار القدیر ،۱۴۲۶ھ)،۱: ۳۳۳۔

۱۲- نفس مرجع،۱:۴۹۰۔

أو بغيره."(۱۳) (جب کسی مسئلے میں باہم متضاد احکام جمع ہو جائیں، جیسا کہ مسئولہ صورت میں ہے، تو کوئی حکم صادر کرنا۔ یہ معاملہ ان مشکل مسائل سے تعلق رکھتا ہے جو ائمۂ کرام کے کلام کی مزید چھان پھٹک کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کے لیے مختلف مسائل اور کسی حکم کے اثبات یا نفی کے بارے میں اہلِ قضا کے باہم متعارض فیصلوں، ائمہ کی کتابوں اور فتاوں پر گہری نظر ڈالنا ضروری ہے۔) ابن حجر کی بات کا حاصل یہ ہے کہ تلفیق کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ ہے اور اس کے حل کے لیے فقہا کی کتب اور فتاویٰ کا گہرائی سے مطالعہ ضروری ہے۔ اسی تناظر میں علامہ حسن شطی کہتے ہیں: "میں نے مسئلۂ تلفیق کے بارے میں بہت تحقیق کی مگر اس کے جواز یا عدم جواز کی بارے میں کتاب و سنت سے کوئی صریح نص نہیں ملی اور نہ ہی متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی تصریح ملی۔"(۱۴) علامہ البانی اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہتے ہیں: "خلاصة القول أن ما يقال في التلفيق لم يكن معهودا عن السلف ليقرروا أحكامه، كما أن الأئمة و أصحابهم لم يدرجوه في مدوناتهم وأمهات كتبهم ، إنما هو من مخترعات الخلف و محدثاتهم."(۱۵) (بات کا حاصل یہ ہے کہ مسئلۂ تلفیق، سلف کے ہاں متعارف نہ تھا کہ وہ اس کے احکام کے بارے میں گفتگو کرتے، اس لیے ان کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ متاخرین کی وضع کردہ ایک نئی اصطلاح ہے۔) متقدمین فقہا سے اس بارے میں صراحت سے کچھ منقول نہیں ہے، مگر پھر بھی اکثر اہل علم اس کی ممانعت کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ کرمی کہتے ہیں: "اعلم أنه قد ذهب كثير من العلما إلى منع جواز التقليد حيث أدى إلى التلفيق." (۱۶) (اکثر علما کے نزدیک اس طرح کی تقلید جائز نہیں جو تلفیق پر منتج ہو۔) علامہ حلوانی کہتے ہیں کہ شافعی، حنفی اور حنبلی تینوں مذاہب میں تلفیق جائز نہیں اور اس کے جواز کا قول انتہائی ضعیف ہے۔(۱۷)

۱۳- ابن حجر الہیثمی، **الفتاوى الكبرى** (بیروت: دار صادر)، ۳: ۱۵۳۔

۱۴- حسن الشطی، **رسالة في التقليد والتلفيق** (دمشق، روضة الشام، ۱۳۷۸ھ)، ۴۔

۱۵- محمد سعید البانی، **عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق** (دمشق: المكتب الإسلامي، ۱۴۰۱ھ)، ۶۹۔

۱۶- احمد بن اسماعیل الحلوانی، **الوسم في حكم الوشم**، تحقیق: احمد البراث (ریاض: مطبعة الرجس، ۱۴۲۶ھ)، ۱۳۳-۱۳۴۔

۱۷- نفس مصدر۔

تلفیق کے حکم کے بارے میں فقہا کی آرا اور ان کا تجزیہ

تلفیق کے بارے میں حنفی نقطہ نظر اور اس کا علمی جائزہ

علامہ ابن ہمام اپنی کتاب **التحریر في أصول الفقه** میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے شافعی مسلک پر عمل کرتے ہوئے وضو کیا اور اعضاے وضو کو اچھی طرح نہیں ملا، پھر مالکی مسلک پر عمل کرتے ہوئے بغیر شہوت عورت کو چھو کر تجدید وضو کیے بغیر نماز پڑھ لی، تو دونوں ائمہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہے۔[۱۸] ابن ہمام کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے جو کہ اصطلاح میں تلفیق کہلاتی ہے۔ **العقود الدرية** میں ہے کہ اگر کسی حنفی قاضی نے وقف الدراہم علی النفس کا فیصلہ دیا تو کیا یہ فیصلہ نافذ العمل ہوگا؟ جو کہ دراصل دو حنفی اماموں کی فقہی آرا کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف جہاں وقف علی النفس کے قائل ہیں[۱۹] مگر وقف الدراہم کے قائل نہیں، دوسری طرف امام زفر وقف الدراہم کے قائل ہیں، مگر وقف علی النفس کے قائل نہیں، اس لیے یہ تلفیق کی صورت بنتی ہے۔[۲۰]

اس پر تبصرہ کرتے ہوتے ابن عابدین کہتے ہیں کہ تلفیق کی صرف وہ صورت جائز ہے جو ایک ہی مذہب کے فقہا کے اقوال پر مبنی ہے کیوں کہ اس سے خروج عن المذہب لازم نہیں آتا۔[۲۱] ہم تلفیق کے حوالے سے اس فرق کو درست نہیں سمجھتے کہ ایک مذہب کے اندر رہتے ہوئے تو درست ہے مگر مختلف مذاہب کے درمیان درست نہیں۔ **درر الحكام** میں آیا ہے:

وفي هذه الحالة قد اصبح تلفيق فى هذه الاحكام الغيابية اى ان اصدار الحكم الغيابى على الخصم المتوارى هو على المذهب الإمام الشافعي، و إصدار الحكم بلايمين هو على المذهب

۱۸- ابن ہمام، **التحریر في أصول الفقه** (بیروت: دار الكتب العلمية)، ۱۲۳۔

۱۹- وقف کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی چیز عام مسلمانوں کے فائدے کے لیے وقف کی جائے۔ جیسے اللہ کے لیے مسجد بنانا۔ وقف کرنے والا جب چاہے اس میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ وقف کی دوسری صورت "وقف علی النفس" ہے کہ صرف اپنی ذات کے لیے وقف کیا جائے جس کی منفعت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔

۲۰- ابن عابدین، **العقود الدرية** (بیروت: دار المعرفة)، ۱: ۱۰۸۔

۲۱- ابن عابدین، نفس مصدر۔

الحنفی، ولذلک یرد سؤال علی هذه الاحکام بعدم جواز التلفیق أن الأصل والقاعدة هو عدم جواز الحکم علی الغائب، فاذا لم یکن ممکنا احضار الخصم، أی إجباره علی الحضور الی المحاکم فان ذلک یستوجب ضیاع حق المدی فلزمت المحاکة، والحکم غیابیا، دفعاً للحرج والضرورات.[۲۲]

یعنی اگر قاضی بغیر یمین کے مدعی علیہ کی عدم موجودگی میں اس کے خلاف فیصلہ دے دے تو آیا تلفیق پر مبنی ایسا فیصلہ نافذ العمل ہوگا، کیوں کہ اصل تو یہ ہے کہ غائب کے خلاف فیصلہ نہ کیا جائے، مگر جب وہ حاضر نہ ہو اور عدالت اسے حاضر کرنے سے بھی قاصر ہو تو اس صورت میں مدعی کا حق ضائع ہوتا ہے، اس لیے ایسا فیصلہ کرنا ناگزیر ہے۔ دراصل فقہ شافعی میں غائب کے خلاف فیصلہ دینے کی گنجائش ہے جبکہ بلا یمین فیصلہ دینا درست نہیں۔ دوسری طرف فقہ حنفی میں قسم لینے کے بغیر بھی قاضی فیصلہ کر سکتا ہے لیکن غائب کے خلاف فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ تو اس مخصوص صورت میں دونوں فقہی آراء کو جمع کر کے بنا بر ضرورت غائب کے خلاف بغیر یمین کے فیصلہ دیا جا رہا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ضرورت اور حاجت کی صورت میں تلفیق جائز ہے۔ علامہ موروی کہتے ہیں کہ معاصر اہل علم کے ہاں تقلید میں تلفیق کی ممانعت مشہور ہے، مگر مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی۔[۲۳] اس تصریح سے تلفیق کے مطلقاً جواز کا پتا چلتا ہے۔ **الدر المختار** میں ہے: "إن الحکم الملفق باطل بالإجماع."[۲۴] (تلفیق پر مبنی حکم کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔) علامہ شامی اس کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر باوضو آدمی کے بدن سے خون نکلا اور اس نے عورت کو بھی چھو لیا اور نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کی آرا کی تلفیق پر موقوف ہے، اور چوں کہ تلفیق باطل ہے، اس لیے اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔[۲۵] اس سے

۲۲- علی حیدر، **درر الحکام شرح مجلة الأحکام**، تحقیق وتعریب المحامی فہمی الحسینی (بیروت: دار الکتب العلمیة)، ۴: ۲۴۴۔

۲۳- محمد بن عبد العظیم الموروی، **القول السدید في بعض مسائل الاجتهاد والتقلید**، تحقیق: جاسم الیاسین (کویت: دار الدعوة، ۱۴۰۸ھ)، ۴۸: ۹۷۔

۲۴- محمد بن علی الحصکفی، **الدر المختار** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۳۸۳۔

۲۵- ابن عابدین، **رد المحتار** (بیروت: دار الفکر للطباعة و النشر و التوزیع، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۸۰۔

معلوم ہوتا ہے کہ تلفیق بالاجماع ناجائز ہے۔[۲۶] ابن نجیم نے اپنے رسالے بیع الوقف بغن فاحش میں زور دے کر کہا ہے: "بأن المذهب جواز التلفيق."[۲۷] (اصل مذہب، تلفیق کے جواز کا ہے۔) **فتح القدير** میں ابن الہمام کہتے ہیں: "إن المقلد له أن يقلد من شاء وأن أخذ العامي في كل مسألة بقول مجتهد أخف عليه، وأنا لا أدري ما يمنعه من النقل، أو العقل، وكون الإنسان يتبع ما هو الأخف عليه من قول مجتهد، مسوغ له الاجتهاد، ما علمت من الشرائع ذمه عليه وكان ﷺ يحب ما خفف عن أمته."[۲۸] (مقلد کو اختیار ہے کہ وہ جس کی چاہے تقلید کرے۔ اگر کوئی آدمی کسی مسئلے میں کسی مجتہد کا آسانی پر مبنی قول اختیار کرے تو عقلی اور نقلی اعتبار سے اس میں کوئی مانع نہیں۔ انسان کا کسی اجتہادی مسئلے میں کسی مجتہد کے آسان قول کو اختیار کرنے کی شرعی مذمت میرے علم میں نہیں۔ نبی کریم ﷺ امت کے لیے آسانی بخش چیزوں کو پسند فرماتے تھے۔)

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حنفیہ کے ہاں تلفیق کے حوالے سے مختلف آرا پائی جاتی ہے، ان میں سے بعض تو تلفیق کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، جب کہ بعض مطلقاً ناجائز، جب کہ بعض کے نزدیک حاجت اور ضرورت کے وقت جائز ہے۔ موروی، ابن نجیم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حنفیہ کا اصل مذہب تلفیق کے جواز کا ہے۔[۲۹]

مالکیہ اور تلفیق

جمہور مالکیہ کا موقف تلفیق کے عدم جواز کا ہے، البتہ دردیر عبادات میں تلفیق کے جواز کے قائل ہیں۔[۳۰] اسی طرح علامہ قرافی کا کہنا ہے کہ: "يجوز التلفيق في العبادة الواحدة من مذهبين لأنه

۲۶- عبدالغنی النابلسی، **خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق**، تحقیق: احمد بدوی وصبۃ (دمشق: دار الألباب)، ۱۷۷۔

۲۷- الموروی، مرجع سابق، ۱۱۴۔

۲۸- ابن ہمام، **فتح القدير** (بیروت: دار الفكر)، ۷: ۲۵۸۔

۲۹- الموروی، مرجع سابق، ۱۷۷۔

۳۰- محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی، **حاشية الدسوقي على الشرح الكبير** (بیروت: دار الفکر)، ۱: ۲۰۔

فسحة في الدين و دين الله يسر." (۳۱) (دین میں وسعت کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے دو مذاہب کے اقوال کو کسی ایک عبادت کے تحت اکٹھا کرنا اور ان میں تلفیق کرنا جائز ہے۔)

شافعیہ اور تلفیق

متاخرین شافعیہ کی اکثر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں تلفیق ناجائز نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں: "أنه لا يجوز للعامي تقليد من شاء من الشافعي ومالک وغيرهما ما لم يتبع الرخص ويحصل التلفيق لا يقول به أحد من قلدهم." (۳۲) (عام آدمی کے لیے امام شافعی، امام مالک وغیرہ جس کی بھی چاہے، تقلید جائز ہے، بہ شرطے کہ رخصتوں کے پیچھے نہ پڑے اور ایسی تلفیق کا ارتکاب کرے، جس کا قائل ائمہ میں سے کوئی بھی نہ ہو۔)

حنابلہ اور تلفیق

شافعیہ کی طرح اکثر حنابلہ بھی تلفیق کے عدم جواز کے قائل ہیں، **الإنصاف** میں آیا ہے کہ اگر ایک مرد اور عورت کسی سفر میں ہوں اور ان کے ساتھ اور کوئی بھی نہ ہو، اگر وہ زنا سے بچنے کے لیے آپس میں بغیر گواہ اور بغیر ولی کے نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کرنا ناجائز ہو گا۔ (۳۳) البتہ بعض متاخرین حنابلہ اس کے جواز کے قائل ہیں، ان میں حسن الشطی، سفارینی قابلِ ذکر ہیں۔ (۳۴)

تلفیق اور بعض معاصر اہل علم

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں: "يجوز التلفيق لمن لم يتكامل له الأدوات وإن لم يتكامل للمجتهد المطلق، فيجوز لمثله أن يلفق من المذهبين إذا عرف دليلهما." (۳۵) (جو مجتہد مطلق کی

۳۱- ابو العباس شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی، **أنوار البروق في أنواء الفروق** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۸۱ھ)، ۷: ۴۸۔

۳۲- ابن حجر، **الفتاوى الكبرى**، ۱: ۲۵۱۔

۳۳- علی المرداوی، **الإنصاف**، تحقیق: عبداللہ الترکی (قاہرہ: هجر للطباعة والنشر، ۱۴۱۶ھ)، ۲۰: ۱۷۲۔

۳۴- حسن الشطی، **رسالة في التقليد والتلفيق**، ۲۔

۳۵- شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجة الله البالغة** (بیروت: دار النشر، ۱۴۲۶ھ) ۱: ۳۳۸۔

شرائط پر پورا نہ اترتا ہو، ایسا مجتہد بھی تلفیق سے کام لے سکتا ہے، بہ شرطے کہ جب وہ ان دونوں مذاہب کے دلائل سے آگاہ ہو۔) عالم اسلام کے ممتاز فقیہ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی کہتے ہیں: "القول بمنع التلفيق يعارض المبدأ القائل بأن اختلاف الأمة رحمة ويعارض مبدأ اليسر والسماحة ورفع الحرج ودفع المشقة الذي تقوم عليه الشريعة."[۳۶] (تلفیق کو ناجائز کہنے کا مطلب اس اصول کا انکار ہے کہ امت کا اختلاف رحمت ہے۔ تلفیق کے جواز کی نفی در حقیقت شریعت کے اندر موجود سہولت، نرمی، رفع حرج اور عدم مشقت جیسی خصوصیات کی نفی ہے۔) ڈاکٹر زحیلی کا خیال ہے کہ معاملات میں ایک عامی و مقلد بھی مختلف فقہی آرا سے استفادہ کر سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "وأما المعاملات، فيجب الأخذ منها من كل مذهب ما هو أقرب إلى مصلحة العباد وسعادتهم ولو لزم منه التلفيق."[۳۷] (معاملات میں ہر فقہی مذہب کا وہ فتوی لیا جائے جو بندوں کی مصلحت و مفاد کے زیادہ قریب ہو، چاہے اس کے نتیجے میں تلفیق ہی کیوں نہ لازم آئے۔)

مانعین تلفیق کے دلائل

تلفیق دراصل تکالیفِ شرعیہ سے احتراز اور حرام کو حلال کرنے کے مترادف ہے۔[۳۸] تلفیق کسی خاص فقہی مذہب کے التزام کے منافی ہے۔ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو تقلید شخص کو ضروری گردانتے ہیں۔ تلفیق سے حاصل ہونے والے حکم کے جواز کا کوئی بھی مذہب قائل نہیں۔ علاوہ ازیں معاصر فقہا، جو اس عمل کی مخالفت کرتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ بینک کے معاملات میں بہ طور خاص تلفیق کے عمل کی تائید اس لیے نہیں کی جاسکتی کہ اس کے ذریعہ سے امرا اور اونچے درجے کے کاروباری طبقے ہی کو فائدہ ملتا ہے۔ اور ان کی دولت میں مزید اضافہ ہوتا ہے، جب کہ متوسط یا عام طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد اس کے فائدے سے محروم رہتے ہیں۔ ایک اور اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ افتاء بمذھب الغیر یا تلفیق جواز کی حد تک تو درست ہے، لیکن اس پر شرعی تجارت اور اسلامی مالیاتی نظام کی عمارت قائم کرنا اور اسے مستقل شکل دینا کسی طور پر بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔[۳۹]

۳۶- وھبہ الزحیلی، أصول الفقه الإسلامي (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۶ھ)، ۲: ۱۱۵۵۔

۳۷- نفسِ مرجع۔

۳۸- الشاطبی، الموافقات، ۴:۱۴۸؛ احمد بن اسماعیل، الوسم: ۱۲۴؛ الموروی، خلاصة التحقيق، ۵۶۔

۳۹- الموروی، نفسِ مرجع، ۵۶؛ رفقاء دار الافتاء بنوری ٹاؤن کراچی، مروجہ اسلامی بینکاری، ۱۸۳۔

قائلینِ تلفیق کے دلائل

۱- تلفیق کی ممانعت پر کوئی نصِ قطعی موجود نہیں ہے۔
۲- تلفیق کی ممانعت سے حرج اور تنگی لازم آسکتی ہے جو کہ شریعت کی تعلیمات کے منافی ہے۔
۳- مقاصدِ شریعت کا تقاضا ہے کہ تلفیق جائز ہو۔

فریقین کے دلائل کا تجزیہ اور وجہ ترجیح

فریقین کے دلائل کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تلفیق نہ تو مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز، بلکہ یہ کچھ شرائط وضوابط کے ساتھ درست ہے۔ ان میں سے اہم ضوابط حسبِ ذیل ہیں:(۴۰)

۱- اس کی کوئی واقعی ضرورت یا حاجت ہو۔
۲- محض اتباعِ نفس اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہ ہو۔
۳- اجماع سے متصادم نہ ہو۔
۴- اس سے کوئی بڑا مقصدِ شرعی فوت نہ ہوتا ہو۔
۵- قضاے قاضی سے متصادم نہ ہو۔

تلفیق اور تتبع رُخَص

ان کے درمیان بھی عموم وخصوص کی نسبت ہوتی ہے، کیوں کہ تتبع رخص، تلفیق سے زیادہ عام ہے؛ کبھی شریعت کی رخصتیں تلاش کرتے ہوئے تلفیق کا سہارا لیا جاسکتا ہے اور کبھی اس کی نوبت نہیں آتی۔ رابطہ عالم اسلامی کی فقہی اکیڈمی (المجمع الفقهي) نے قرارداد نمبر ۷۰ میں فقہی رخصتوں پر عمل کرنے کے جواز کا فتوی دیا ہے؛ تاہم اکیڈمی نے فقہی رخصتوں پر عمل کرنے کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مختلف مسالک کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل محض نفسانی خواہش کی اتباع میں نہ ہو۔ مجتہدین کے اقوال میں سے آسان قول اختیار کرتے ہوئے اس کا لحاظ رکھا جائے کہ:

۴۰- "قرار مجمع الفقه الإسلامی بشأن الأخذ بالرخصة و حكمه"، **مجلة المجمع**، برونائی دارالسلام، ۱: ۴۱ (۱۹۹۳ء)، قرار رقم: ۷۰ (۸/۱)۔

۱- رخصت و سہولت پر مبنی اقوال جن کو اختیار کرنا مقصود ہو، شرعاً معتبر اقوال ہوں، شاذ اقوال میں شمار نہ کیے جاتے ہوں۔

۲- رخصت پر عمل کرنے کی ضرورت کسی مشقت کو دور کرنے کے لیے ہو۔

۳- رخصت پر عمل کرنے والا بذات خود ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہو یا کسی دوسرے ایسے شخص پر اعتماد کر رہا ہو جو ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۴- رخصت پر عمل کے نتیجے میں ممنوع تلفیق کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو۔

۵- اس قول کو اختیار کرنا کسی غیر مشروع مقصد تک رسائی کا ذریعہ نہ بنتا ہو۔

تلفیق اور مراعاة الخلاف

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ تلفیق اسی صورت میں مذموم ہے جب ایک عامی و مقلد خواہش نفس کی پیروی میں ایک مسئلے میں مختلف آرا پر بہ یک وقت عمل کرے۔ ایسی تلفیق بین المذاہب ناجائز ہے، کیوں کہ اس کا مقصد نفس پرستی کی خاطر آسانیاں تلاش کرنا ہوتا ہے، تاہم اگر کوئی مجتہد عمومی مصلحت و مفاد کی رعایت کرتے ہوئے اور اختلاف کو ختم کرنے کی نیت سے اس طرح کی تلفیق کرے تو یہ جائز ہے۔ فقہ مالکی میں اس تلفیق کو "مراعاة الخلاف" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: "إعمال دليل في لازم مدلوله الذي أعمل في نقيضه دليل آخر." (دلیل کو اپنے مدلول کے اس لازمی نتیجے میں کام میں لانا، جس کے خلاف کوئی اور دلیل موجود ہو۔) مراعاة الخلاف کا غالب وصف دو متضاد دلیلوں پر بہ یک وقت عمل کرنا ہوتا ہے۔ اس کی مثال نکاح شغار ہے۔ نکاح شغار مالکی فقہ میں ناجائز ہے، حنفی فقہا اسے جائز سمجھتے ہیں گو کہ ان کے نزدیک اس کے ساتھ ایک فاسد شرط وابستہ ہے۔ حدیث میں نکاح شغار کی ممانعت کو وہ کراہت پر محمول کرتے ہیں۔ "مراعاة الخلاف" کو بروے کار لاتے ہوئے مالکی فقہا نے اس مسئلے پر دونوں آرا کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اصل حکم تو حرمت کا ہے تاہم نکاح واقع ہونے کی کی صورت میں وہ مہر مثل اور باہمی وراثت کا حکم دیتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہی مسئلے پر دو مخالف آرا کو جمع کرنے اور ایسے فعل کی مجموعی صحت کا حکم دیا جا سکتا ہے۔

هيئة المحاسبة والمراقبة کے فتاوی میں جمع بین المذاہب کی مثالیں

هيئة المحاسبة والمراقبة للمؤسسات المالية الإسلامية کے شریعہ بورڈ نے اپنے فتاوی میں عموماً تلفیق اور جمع بین المذاہب کے منہج کو اختیار کیا ہے۔ وہ مالیاتی مسائل میں تمام مسالک کی آرا سے استفادہ کرتا ہے اور دلیل اور مصلحت راجحہ کی بنیاد پر ایک رائے کا انتخاب کرتا ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی اس منہج اجتہاد کو اجتہاد انتقائی کہتے ہیں۔ انھوں نے انتقائی اجتہاد کی مثال یوں دی ہے کہ مصارف زکاۃ میں مؤلفۃ القلوب کے بارے میں مالکی فقہا کی رائے یہ ہے کہ یہ حصہ ساقط نہیں ہوا اب بھی برقرار ہے، باقی فقہا کے نزدیک یہ ساقط ہو گیا ہے۔ فقیر و مسکین کو دیے جانے والے مالِ زکوۃ کے حوالے سے شافعی فقہا کی رائے یہ ہے کہ انھیں اتنا مال دے دیا جائے جو ان کی پوری عمر کی ضروریات کو پورا کرے۔ مصرف "فی سبیل اللہ" کے بارے میں فقہ حنبلی کا موقف یہ ہے کہ یہ مصرف مجاہدین کی امداد تک محدود نہیں، بلکہ اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے اسلحہ کی خریداری بھی "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں شامل ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی کے خیال میں اس عہد کی مخصوص ضروریات اور شریعت کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ درست ہو گا کہ مؤلفۃ القلوب کے حوالے سے فتویٰ مالکی رائے کے مطابق دیا جائے۔ فقیر و مسکین کو دی جانے والی مقدار زکوۃ کے حوالے سے شافعی نقطہ نظر اور "فی سبیل اللہ" کے حوالے سے حنبلی نقطہ نظر کو اختیار کیا جائے۔ هيئة المحاسبة والمراقبة (AAOIFI) کے جاری کردہ المعايير الشرعية (Shariah Standards) میں جو اسلامی مالیاتی اداروں کا فقہی ضابطہ ہیں، تلفیق و تخییر اور جمع بین المذاہب کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ ذیل میں ہم هيئة المحاسبة والمراقبة کے بیع مرابحہ پر ضابطے کی چند دفعات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱- وعدے کا قابل نفاذ ہونا

المعايير الشرعية کا ضابطہ نمبر ۸ بیع مرابحہ (یعنی خریدار کی خواہش پر کوئی چیز خرید کر اسے مرابحہ کی بنیاد پر بیچنا) کے عنوان سے ہے۔ شریعت میں معدوم چیز کی بیع جائز نہیں، لہٰذا اسلامی بینک ایک ایسی چیز کو، جو اس کی ملکیت اور قبضے میں نہیں ہے، فروخت نہیں کر سکتا، تاہم اگر کوئی گاہک کسی متعین چیز کی خریداری کے لیے بینک کے سرمایے کا خواہش مند ہو تو اسی مذکورہ ضابطے کی رو سے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ بینک اس کے لیے وہ چیز خریدے گا

اور قیمت خرید پر ایک متعین نفع لگا کر اسے ادھار پر وہ چیز بیچ دے گا۔ ایسا کرنے کے لیے وہ گاہک سے وعدہ لے گا کہ وہ اس چیز کو خریدنے کا پابند ہو گا اور یہ وعدہ قضاءً قابل نفاذ ہو گا۔

المعايير الشرعية کی دفعہ نمبر ۳.۵.۲ میں کہا گیا ہے کہ گاہک کی طرف سے مرابحہ کی درخواست کے مرحلے پر اور سپلائر سے مطلوبہ سامان خریدنے سے پہلے بینک گاہک سے وعدہ لے گا کہ وہ یہ سامان خریدنے کا پابند ہو گا اور بینک کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ وعدے کی خلاف ورزی سے ہونے والے اپنے نقصان کو گاہک کے سکیورٹی ڈیپازٹ سے پورا کرے۔ وعدہ کے قضاءً قابل نفاذ ہونے کے سلسلے میں فقہا کی چار آرا ہیں:

پہلی رائے: وعدے کو پورا کرنا نہ صرف لازم ہے، بلکہ عدالت کے ذریعے اس پر جبراً عمل کرانا بھی جائز ہے۔ یہ عمر بن عبد العزیز، قاضی سعید بن الاشوع کوفی، ابن شبرمہ اور بعض مالکیہ کا قول ہے۔

دوسری رائے: وعدے کو پورا کرنا قضاءً لازم نہیں۔ شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور بعض مالکیہ کا یہی مذہب ہے۔[۴۱]

تیسری رائے: حنفیہ کے نزدیک وعدہ پورا کرنا قضاءً لازم نہیں، البتہ دو صورتوں میں قضاءً بھی لازم ہے۔ ایک تو یہ کہ وعدہ معلق علی الشرط ہو، مجرد نہ ہو جیسا کہ **درالحکام** دفعہ ۸۳،۷۷ میں ہے کہ "المواعيد بصور التعليق تكون لازمة لأنه يظهر فيها حينئذ معنى الالتزام والتعهد."[۴۲] یعنی وعدے تعلیق کی صورت میں لازم ہوں گے، کیوں کہ اس سے التزام اور ذمے داری کا معنی ثابت ہوتا ہے۔ دوسری صورت جس میں حنفیہ کے ہاں وعدہ پورا کرنا لازم ہے وہ بیع وفا کی ہے۔ چناں چہ **ردالمحتار** میں علامہ شامی نے لکھا ہے: "ولو باعه على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به، لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس وهو الصحيح، كما في **الكافي والخانية** الخ." یعنی اگر وعدے پر کوئی چیز بیچے تو جائز ہے اور اس وعدے کو پورا کرنا لازم ہو گا، کیوں کہ لوگوں کی حاجت کے باعث وعدے کو پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔[۴۳]

۴۱- شمس الدین ابو عبد اللہ الحطاب، **تحرير الكلام في مسائل الالتزام** (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۸۴ء)، ۱: ۱۵۴؛ ابو زکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی، **الأذكار** (بیروت: دار الفكر، ۱۴۱۴ھ)، ۲: ۱۵۸؛ علاء الدین ابو الحسن المرداوی، **الإنصاف** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، س۔ن)، ۱۱: ۱۵۵۔

۴۲- علی حیدر، **در الحكام شرح مجلة الاحكام**، (بیروت: دار عالم الكتب، ۲۰۰۳ء)۔

۴۳- محمد بن علی الحصکفی، **الدر المختار** (بیروت: دار المعرفة، س۔ن)، ۵: ۲۷۷۔

چوتھی رائے: عام حالات میں تو وعدہ پورا کرنا قضاءً واجب نہیں، لیکن اگر وعدہ کرنے والے کی وجہ سے دوسرے شخص کو کوئی مالی بوجھ برداشت کرنا پڑے یا وہ اس وعدے کی بنیاد پر کوئی ذمے داری قبول کرلے تو ایسے وعدے کو پورا کرنا ضروری ہے اور اس پر وعدہ کرنے والے کو بہ ذریعہ عدالت مجبور بھی کیا جاسکتا ہے۔[۴۴]

مجمع الفقہ الاسلامی اور هيئة المحاسبة والمراقبة نے مرابحہ پر اپنے مذکورہ فتوے میں مالکی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ یہ رائے موجودہ عہد کی کاروباری اور تجارتی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ امر واقع یہ ہے کہ کاروباری معاملات میں وعدے کو اگر محض ایک اخلاقی تقاضا سمجھ لیا جائے اور وعدہ کرنے والے کو اپنے وعدے کا قانونی طور پر پابند نہ کیا جائے تو کاروبار میں شدید حرج پیدا ہوسکتا ہے اور موعودلہ کو شدید مالی نقصان ہوسکتا ہے۔

۲- لازمی صدقہ کا مسئلہ

سودی بنکوں میں اگر کوئی گاہک واجب الاداء قرض کی ادائی میں تاخیر کرے تو بینک اس پر بہ طور جرمانہ اپنا سود بڑھا دیتا ہے۔ شریعت کی رو سے دین اور قرض کی اصل رقم پر کوئی اضافہ سود ہے۔ هيئة المحاسبة والمراقبة نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ اگر کوئی گاہک بلا عذر قسط کی ادائی میں تاخیر کرتا ہے تو اسے ایک مخصوص رقم صدقے کے طور پر دینا ہوتی ہے۔ ضابطہ نمبر ۸ بابت مرابحہ کی دفعہ ۵.۶ میں کہا گیا ہے کہ بینک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ معاہدے میں گاہک سے اس طرح کا وعدہ لے کہ اگر اس نے دین کی ادائی میں تاخیر کی تو وہ اتنی رقم صدقہ کرے گا جسے بینک خیراتی مقاصد کے لیے استعمال کرے گا۔ التزامِ تصدّق یا لازمی صدقے کے حوالے سے فقہ اسلامی میں عموماً رائے یہ ہے کہ اس التزام صدقہ یا نذر کو قضاءً پورا کرنا لازمی نہیں۔ بعض مالکی فقہا کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، اس کا تعلق یمین اور نذر سے ہے جو عبد اللہ بن نافع اور محمد بن ابراہیم بن دینار کے ہاں قضاءً نافذ ہوتے ہیں، چنانچہ علامہ حطاب لکھتے ہیں:

> أما إذا التزم المدعى عليه للمدعي أنه لم يوفه حقه في وقت كذا وكذا فله عليه كذا وكذا، فهذا لا يختلف في بطلانه، لأنه صريح الربوا... وأما التزام أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا فعليه كذا و كذا لفلان، أو صدقة للمساكين، فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب، فالمشهور أنه لا يقضي به كما تقدم، وقال ابن دينار: يقضي به.[۴۵]

۴۴- القرافی، أنوار البروق، ۴: ۲۵، الحطاب، تحریر الکلام، ۱۵۵-۱۵۶۔

۴۵- نفس مرجع، ۱۷۶۔

اگر مدعاعلیہ، مدعی پر یہ بات لازم کرے کہ اگر اس نے اس کا حق فلاں وقت تک ادا نہیں کیا تو وہ اس کے بدلے میں اتنی رقم ادا کرے گا تو اس بات کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ یہ واضح طور پر سود ہے، البتہ اگر یہ بات لازم کی کہ حق نہ دینے پر کسی دوسرے کو اتنی رقم دینا یا مساکین پر صدقہ کرنا لازم ہوگا تو یہ بات محل اختلاف ہے جس کے لیے یہ باب باندھا گیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ اسے ادا نہیں کرے گا اور ابن دینار کہتے ہیں کہ ادا کرے گا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ احناف کے نزدیک اس التزامِ صدقہ یا نذر کو قضاءً پورا کرنا لازم نہیں، تاہم هيئة المحاسبة اور مجمع الفقه الإسلامي کے فقہا نے اس مسئلے پر مالکی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے اور اس وعدہ صدقہ کو قضاءً نافذ العمل قرار دیا ہے۔

۳- عربون اور بیعانے کے ساتھ بیع کا مسئلہ

عربون اس بیع کو کہتے ہیں جس میں مشتری، بائع کو اس شرط پر کچھ رقم دیتا ہے کہ اسے بیع کو برقرار رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔ اگر بیع کو قائم رکھا اور نافذ کر دیا تب تو یہ رقم ثمن کا حصہ بن جائے گی اور اگر بیع کو نافذ نہ کیا تو بائع اس رقم کا مالک بن جائے گا۔ اس بیع کے جواز میں جمہور فقہا اور امام احمد بن حنبل کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور فقہا امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں، کیوں کہ اس میں معاوضہ بلا عوض ہے اور نبی کریم ﷺ نے بیع عربون سے صراحتاً منع کیا ہے، چناں چہ **مؤطا** میں ہے:

"نهى رسول الله ﷺ عن العربان أو العربون."[۴۶]

امام احمد بن حنبل کا مذہب: امام احمد حضرت زید بن اسلم کی روایت، جس میں نبی ﷺ سے بیع عربون کی بابت سوال کیا گیا اور آپ ﷺ نے اسے حلال قرار دیا، سے استدلال کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیتے ہیں۔[۴۷]

معاییر کی دفعہ ۲.۵.۳ کی رو سے بینک کو حنبلی رائے کے مطابق یہ حق حاصل ہے کہ وہ عربون (بیعانہ) کی رقم گاہک سے لے تا کہ گاہک کی طرف سے انکار کی صورت میں اس رقم سے وہ اپنا نقصان پورا کر سکے۔ اس مسئلے

۴۶- ابن رشد، **بداية المجتهد** (بیروت: دار المعرفة، ۲۰۰۴ء)، ۲: ۶۱؛ محمد الخطیب الشربيني، **مغني المحتاج** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۴ء)، ۲: ۳۹۔

۴۷- المرداوی، **الإنصاف**، ۴: ۳۵۷۔

میں "المعايير الشرعية" نے حنبلی نقطۂ نظر کو اختیار کر کے یہ فیصلہ دیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر معاہدات کے استحکام کے لیے ضروری ہے اور عہد حاضر کی تجارتی ضروریات سے ہم آہنگ ہے۔

۴- بیع بشرط البراءة من العیوب

بیع بشرط البراءة من العیوب سے یہ مراد ہے کہ بائع خریدار کو اس شرط پر کوئی چیز بیچے کہ وہ مبیع میں ظاہر ہونے والے کسی عیب کا ذمے دار نہیں ہو گا۔ اس طرح شرط لگانے کے جواز و عدم جواز میں فقہا کا اختلاف ہے اور فقہا کے درج ذیل پانچ اقوال ہیں:

پہلا قول: بائع کے لیے عیب سے براءت کی شرط لگانا بھی صحیح ہے اور وہ اس طرح شرط لگانے سے عیوب سے بری بھی ہو جائے گا۔ یہ حنفیہ کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول ہے، جب کہ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔[۴۸]

دوسرا قول: اس طرح شرط لگانے کی کوئی اہمیت نہیں اور بائع کسی عیب سے بری نہیں ہو گا، البتہ اگر بائع کو کسی عیب کا پہلے سے علم ہو اور وہ خریدار کو بتا کر اس سے براءت کا اظہار کرے اور خریدار راضی ہو جائے تو خاص اس عیب سے بری متصور ہو گا۔ یہ امام احمد کا مشہور قول اور حنابلہ کا مذہب ہے۔[۴۹]

تیسرا قول: غلام کے علاوہ کسی اور مبیع میں مطلقاً شرط براءت عیوب ٹھیک نہیں، البتہ اگر کسی متعین عیب سے براءت کا اظہار کرے جس کا اسے علم ہو کہ یہ عیب مبیع میں موجود ہے تو درست ہے بہ صورت دیگر مطلقاً درست نہیں۔ یہ امام مالک کا مشہور قول اور مالکی مذہب ہے۔[۵۰]

۴۸- محمد بن احمد السرخسی، المبسوط (بیروت: دار المعرفة)، ۳۱: ۹۱؛ علاء الدین ابو بکر الکاسانی، **بدائع الصنائع** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۰۶ھ)، ۵: ۲۷۷۔

۴۹- منصور بن یونس البہوتی، **کشاف القناع** (بیروت: دار الکتب العلمیة)، ۳: ۱۹۶-۱۹۷۔

۵۰- امام مالک، **المدونة الکبری** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۵ھ)، ۴: ۳۵۳؛ ابن رشد، **بدایة المجتهد**، ۲: ۱۸۴۔

چوتھا قول: ظاہری اور معلوم عیب سے مطلقاً بری نہیں ہو گا، البتہ حیوان کی بیع میں باطنی عیب سے بری ہو گا۔ یہ شافعیہ کی ظاہر الروایہ ہے۔[۵۱]

پانچواں قول: جن عیوب کا بیع کے وقت تک علم نہیں ان سے بری ہو جائے گا البتہ جن کا بیع کے وقت علم ہو جائے ان سے بری نہیں ہو گا۔ یہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔[۵۲]

اس مسئلے میں هیئة المحاسبة والمراقبة نے حنفیہ کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ چناں چہ **المعاییر** کی دفعہ ۹.۴ میں بینک کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ کوئی چیز اس شرط پر بیچے کہ وہ اس کے کسی عیب کا ذمے دار نہیں ہو گا۔

٦- مالِ مرہون سے انتفاع

معیار شرعی نمبر ۵ کی دفعہ ٦.۴ کی رو سے بینک کو رہن شدہ چیز سے انتفاع کا حق نہیں ہونا چاہیے خواہ راہن یعنی اس کا مالک اس انتفاع کی اجازت ہی کیوں نہ دے۔ یہ فیصلہ شافعی نقطۂ نظر کے مطابق ہے۔ حنفی فقہا کے نزدیک مرتہن، مال مرہون سے مالک کی اجازت کے ساتھ استفادہ کر سکتا ہے۔ فقہا کے اقوال کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ کی رائے: حنفیہ کے ہاں راہن اور مرتہن دونوں رہن سے ایک دوسرے سے اجازت لیے بغیر استفادہ نہیں کر سکتے۔[۵۳]

مالکیہ کی رائے: مالکیہ کے ہاں راہن کے لیے رہن کے منافع سے استفادہ کرنا مطلقا جائز ہے، جب کہ مرتہن کو اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ ابتداے عقد ہی میں استفادہ کرنا طے کر لیا گیا ہو، استفادے کی مدت متعین ہو اور یہ کہ مرہون بہ، دین قرض نہ ہو۔[۵۴]

شافعیہ کی رائے: شافعیہ کے ہاں مرتہن کے لیے رہن سے کسی قسم کا استفادہ کرنا ناجائز ہے۔[۵۵]

۵۱- الشربیني، **مغني المحتاج**، ۲: ۵۳ ؛ تقی الدین السبکی، **تكملة المجموع** (مصر: ۱۹۷۱ء)، ۱۲: ۳۵۸۔

۵۲- عبدالرحمن ابن رجب، **الذيل على طبقات الحنابلة** (ریاض: مکتبة العبیکان، ۱۴۲۵ھ) ۲: ۳۸۷۔

۵۳- الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ٦: ۱۴٦۔

۵۴- امام مالک بن انس، **المدونة الکبری** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۹۹۴ء)، ۱۴: ۳۱۷۔

۵۵- ابو اسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی، **المهذب في فقة الإمام الشافعي** (بیروت: دارالکتب العلمیة، س۔ن)، ۲: ۹٦۔

حنابلہ کی رائے: حنابلہ کے ہاں اگر مرہونہ چیز سواری یا دودھ دینے والا جانور ہو تو اس سے راہن اور مرتہن دونوں استفادہ کرسکتے ہیں، بہ صورت دیگر مرتہن کے لیے راہن سے اجازت لینا ضروری ہے بہ شرطے کہ مرہونہ چیز دین قرض نہ ہو، نیز راہن عوض بھی لے سکتا ہے۔[۵۶]

۷- کاغذی زر کی ثمنیت کا مسئلہ

کرنسی نوٹوں کی فقہی حیثیت میں علما کا اختلاف ہے۔ برصغیر کے بیشتر علما کے نزدیک ان کی حیثیت فلوس اور ثمن اعتباری کی ہے اور ان کے احکام ثمن خلقی یعنی سونے چاندی والے نہیں ہوں گے، جب کہ عرب دنیا کے بیشتر علما کی رائے یہ ہے کہ نوٹ سونا چاندی کے قائم مقام ہیں اور ان کی حیثیت ثمن خلقی کی ہے اور تمام احکام ثمن خلقی والے ہوں گے؛ لہٰذا جس طرح ثمن خلقی میں بیع سلم جائز نہیں اسی طرح کرنسی نوٹوں میں بھی جائز نہیں۔ برصغیر کے علما جن میں مفتی محمد تقی عثمانی سرفہرست ہیں، ان کے نزدیک چوں کہ نوٹوں کی حیثیت ثمن اعتباری کی ہے، لہٰذا ان میں ثمن خلقی والے احکام جاری نہیں ہوں گے اور ان میں بیع سلم بھی جائز ہو گی۔[۵۷]

اب ثمن اعتباری کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کی آرا مختلف ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

امام مالک کی رائے: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ثمنیت سے مراد ثمنیت مطلقہ ہے خواہ خلقی ہو یا اعتباری؛ لہٰذا اس میں تفاضل اور اجل جائز نہیں ہوں گے۔[۵۸]

ائمہ ثلاثہ کی رائے: ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک ثمن سے مراد ثمنِ خلقی ہی ہے، ثمن اعتباری نہیں؛ لہٰذا اگر کسی ملک میں سونے چاندی کے علاوہ کسی چیز کو بہ طور ثمن رائج کر لیا جائے، تو ان کا حکم بعینہ ثمن حقیقی والا نہیں ہو گا۔[۵۹]

هيئة المحاسبة والمراقبة نے اس مسئلے میں عرب علما کی رائے کو اختیار کیا ہے جس کی بنیاد مالکی مذہب پر ہے، چناں چہ معیار شرعی نمبر ۴/ ۲/ ۳ کے مطابق اگر راس المال، نقود یعنی کرنسی ہو تو بدلے میں کرنسی کو ہی مسلم فیہ نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ کرنسی نوٹ کو ثمن یا مال نہ سمجھنے کا زکاۃ کی فرضیت، زکاۃ کی ادائی اور

۵۶- البہوتی، کشاف القناع، ۳: ۳۵۵؛ موفق الدین ابن قدامہ، المغني (مصر: مكتبة القاهرة، ۱۳۸۸ھ)، ۴: ۲۸۹۔

۵۷- محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل** (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۸ء)، ۲: ۷۸، ۸۸۔

۵۸- نفس مرجع۔

۵۹- نفس مرجع۔

کرنسی نوٹ کی شکل میں ادھار پر اضافے جیسے مسائل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ هيئة المحاسبة والمراقبة کی رائے میں کرنسی اپنی ثمنیت میں ہر لحاظ سے سونے اور چاندی کے مانند ہے۔ اس پر ربا، سلم اور زکاۃ کے وہی احکام لاگو ہوں گے جو سونے چاندی پر لاگو ہوتے ہیں۔ مشہور حنفی عالم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس رائے کو مقاصدِ شریعت کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: نوٹوں اور سکوں کے مسئلہ میں بھی ضروری ہے کہ اسلام کے اس تصور عدل کو کلیدی اہمیت دی جائے اور فقہی جزئیات اور قدیم فقہا کے اجتہادات کو ثانوی۔ اس لیے کہ فقہا کی آراء اپنے عہد اور زمانے کے اعتبار سے عین عادلانہ تھیں، مگر ضروری نہیں کہ بدلے ہوئے حالات میں بھی اقامت عدل کے لیے کفایت کر سکیں۔ کرنسی نوٹوں کا مسئلہ بھی حالات اور عرف و عادت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا ہے اور سو سال پہلے یہ حکم تھا ہر حال میں وہی باقی نہ رہے گا، بلکہ اس میں تبدیلی ہو گی۔ اگر نوٹوں میں تفاضل کو جائز قرار دیا گیا تو سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور وہ ساری بندشیں پامال ہو کر رہ جائیں گی جو سود پر باندھی گئی ہیں۔

۸- قرض میں مدت کے تعین کا مسئلہ

معیار شرعی نمبر ۱۹ میں هيئة المحاسبة نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ معاہدۂ قرض میں مدت کا تعین جائز ہے۔ آرٹیکل نمبر ۶ میں کہا گیا ہے: "يجوز إشراط الأجل في القرض فلا يلزم المقترض الوفاء قبل حلول الأجل وليس للمقرض مطالبته به قبله، أما إذا لم يشترط الأجل فيجب على المقترض الوفاء عند الطلب." (قرض میں مدت کی مشرط لگانا جائز ہے لہٰذا مقروض پر وہ مدت آنے سے پہلے اس کی ادائی لازم نہیں ہے اور نہ قرض خواہ کے لیے اس سے پہلے مطالبہ درست ہے، تاہم جب مدت کی شرط نہ ہو تو قرض خواہ جب بھی مطالبہ کرے، مقروض پر ادائی لازم ہے۔)

حنفی نقطۂ نظر کے مطابق قرض میں مدت کا تعین معاہدے کو ناجائز کر دیتا ہے۔ قرض حنفی فقہا کی رائے میں درہم کے درہم کے ساتھ تبادلے کی ایک شکل ہے جس میں سپردگی اور قبضے کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ دست بہ دست تبادلے کے شرعی تقاضے کی خلاف ورزی ہے، تاہم اگر مدت کا تعین نہ ہو تو استحساناً یعنی خلاف قیاس یہ معاہدہ جائز ہے۔ **المعايير الشرعية** میں اس نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کیا گیا اور قرض کی واپسی کے لیے مدت کے تعین کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب قرار دیا گیا ہے۔ یہ رائے واضح طور پر لوگوں کی مصلحت اور مفاد کا زیادہ تحفظ کرتی ہے اور مقدم الذکر رائے میں جو تنگی، شدت اور سختی ہے اس سے بھی نجات دلاتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل

ذکر ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے قرض کے خلاف قیاس ہونے کی رائے کو شدت سے جھٹلایا ہے اور اسے ایک مغالطہ قرار دیا ہے۔ ان کی رائے میں قرض عاریت کی مانند ہے۔ عاریت میں انسان منفعت کا ہبہ کرتا ہے۔ منفعت حاصل کرنے کے بعد مستعیر (چیز کو عاریتاً لینے والا شخص) اس کے مالک کو وہ چیز واپس کر دیتا ہے۔ اسی طرح عقد قرض میں مقروض رقم استعمال کرکے اس کا مثل واپس کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں معاہدے منافع کے تبرع کے معاہدے ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ درہم کا درہم کے ساتھ تبادلہ اگر بہ طور بیع ہو تو اسے دونوں طرف سے فوری قبضے کے ساتھ ہونا چاہیے، لیکن اگر وہ بہ طور قرض ہو تو اس میں تاخیر نہ صرف جائز ہے، بلکہ عین مطلوب ہے۔ بیع صرف کے احکام کو قرض پر لاگو کرنا محض ایک مغالطہ ہے۔

ان چند مثالوں سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہ تجارت ومالیات پر جدید فتاوی میں تلفیق اور جمع بین المذاہب پر غیر معمولی انحصار کیا گیا ہے۔ معاملات کی یہ تمام صورتیں جائز تلفیق کے زمرے میں آتی ہیں جس کی بنیاد رفع حرج، اباحت اصلیہ، سد الذرائع اور مصلحت عامہ کے اصول ہیں۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ھیئۃ المحاسبۃ والمراقبۃ نے تلفیق اور جمع بین المذاہب کے تمام معاملات میں تتبع رخص پر عمل نہیں کیا، بلکہ انتفاع بالرھن، کرنسی نوٹوں کا زر اصلی کے حکم میں ہونے اور اس کے مسلم فیہ نہ بن سکنے کی مثالیں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ بعض معاملات میں جہاں احتیاط کی ضرورت زیادہ سمجھی گئی، وہاں رخصت والی رائے کو اختیار نہیں کیا گیا، بلکہ احتیاط پر عمل کیا گیا ہے جب کہ بقیہ معاملات میں اباحتِ اصلیہ کے قاعدے کے تحت رخصت پر عمل کیا گیا ہے۔

خلاصے کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں جو طرزِ تلفیق، مصالحِ شریعت کو نقصان پہنچانے کا باعث ہو، کسی مقررہ قانونی نظام کے خلاف ہو، یا اس کے ذریعہ سے عامۃ الناس کے حقوق کا ضیاع ہوتا ہو، اس قسم کی ہر تلفیق ناجائز اور ممنوع ہے، جب کہ وہ تلفیق جو مصلحت عامہ پر مبنی ہو، حالات وواقعات اس تلفیق کا تقاضا کرتے ہوں اور فقہاے مجتہدین کی طرف سے سامنے آئے تو ایسی تلفیق نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ معاصر فقہ میں تلفیق اور مراعاۃ الخلاف کو بہ طور منہج استدلال نہ صرف اجتماعی اجتہادات و فتاوی میں اختیار کیا گیا ہے، بلکہ اسلامی قانون کی تدوین(Codification) میں بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ عالم اسلام میں شریعت اور فقہ اسلامی پر مبنی قوانین کی جہاں بھی اور جس شعبے میں بھی تدوین اور ضابطہ بندی ہوتی ہے، وہاں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس میں تمام فقہی اجتہادات کی بہتر باتوں کو جمع کر دیا جائے۔ ہمارے ملک میں رائج کئی قوانین تلفیق کے نتیجے میں ہی وجود میں آئے ہیں۔ قانون تنسیخ ازدواج مسلمانان

۱۹۳۹ء، حدود آرڈیننس، قانون شہادت، قانون زکاۃ و عشر میں تمام فقہی مسالک سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ھیئۃ المحاسبۃ والمراقبۃ کے "شرعی معاییر" میں بھی اس منہج پر انحصار کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر یہ شرعی معاییر، عالم اسلام کا ایک مؤثر اور قابل عمل قانون مالیات و تجارت بن گئے ہیں۔ آج کے عہد میں قانون سازی اور ضابطہ بندی کسی ایک فقہ پر مبنی نہیں ہو سکتی، لہٰذا اجتماعی مسائل میں اجتہاد و فتوی کے لیے تلفیق و جمع بین المذاہب کو ایک بنیادی منہج استدلال کے طور پر قبول کرنا ہو گا۔

❀❀❀❀❀❀